© rasailojaraid.com

☆ ڈاکٹر ظہور الدین احمد

جہاں آرا بنت شاہجہاں

ضیاء الدین احمد برنی نے ۱۹۵۵ء میں تعلیمی مرکز کراچی سے جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں کے عنوان سے اپنی کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا- مؤلف نے جہاں آرا کی زندگی اور اس کی سیاسی' ادبی' علمی اور تعمیراتی خدمات کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں- جہاں آرا کی تالیفات میں سے مونس الارواح کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے لیکن انہیں جہاں آرا کی ایک اور تالیف رسالہ صاحبیہ کے متعلق اطلاع حاصل نہ ہو سکی- یہ رسالہ احمد آباد (گجرات) میں آپارا و بھولاناتھ لائبریری میں موجود تھا- پروفیسر محمد ابراہیم ڈار نے ۱۹۳۷ء میں اورئینٹل کالج میگزین لاہور میں اس کا تعارف کروایا- بعد میں اس کا اردو ترجمہ مضامین ڈار میں شامل کر کے بمبئی سے شائع کیا- پروفیسر محمد اسلم مرحوم استاد تاریخ پنجاب یونیورسٹی نے احمد آباد جا کر اسی رسالے کا فارسی متن نقل کیا اور جرنل ریسرچ سوسائٹی پاکستان جلد ۱۶ شمارہ ۴ ۱۹۷۹ء میں شائع کیا- اس کے مطالعہ سے جہاں آرا کی روحانی زندگی اور اس کے مرشد حضرت ملا شاہ کے احوال و کوائف معلوم ہوئے- سردار علی احمد خان نے ۱۹۹۳ء میں لاہور سے صاحبیہ کا انگریزی ترجمہ شائع کیا اور ساتھ ہی فارسی اور اردو متن بھی شائع کیا- کتاب کے مختصر دیباچے میں انہوں نے جہاں آرا کی زندگی کے مختصر کوائف بیان کئے ہیں- جہاں آرا کی تالیف مونس الارواح کا تعارف بھی پیش کیا ہے اور سفر اجمیر اور روضہ معین چشتی میں اس کی حاضری بیان کی ہے- اور اس کے اشعار کے کچھ نمونے بھی درج کئے ہیں- ضیاء الدین احمد کے سامنے صاحبیہ نہیں تھی' اس لئے جہاں آرا کی روحانی تعلیم و تربیت اور اس کے مرشد حضرت ملا شاہ کے متعلق وہ کچھ نہیں لکھ سکے- سردار علی احمد خان نے بھی جہاں آرا کی روحانی تربیت اور اس کے مرشد کے بارے میں مفصل تعارف نہیں

☆ سابق صدر شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج لاہور-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کروایا-اب چونکہ صاحبیہ ہمارے سامنے ہے-اس لئے مناسب ہے کہ اس کا خلاصہ پیش کر دیا جائے تاکہ جہاں آرا کی زندگی کا یہ گوشہ بھی روشن ہو جائے- یہاں تصوف و عرفان سے متعلق جہاں آرا کے ابتدائی رجحانات کی تشکیل سے متعلق ذکر کیا جاتا ہے-

(۲)

جہاں آرا کو اپنے بڑے بھائی محمد دارا شکوہ سے محبت و عقیدت تھی- دارا شکوہ صوفی منش تھے-وہ اپنی بہن کو بھی تصوف و طریقت کی باتیں بتاتے رہتے اور اولیاء کے تذکرے پڑھنے کی تاکید کرتے رہتے-اس نے خود ۱۰۴۹ھ میں سفینۃ الاولیاء لکھی- ممکن ہے جہاں آرا نے بھی اس سے متاثر ہو کر ۱۰۴۹ھ ہی میں حضرت معین الدین چشتی اور ان کے خلفا' سے متعلق مونس الارواح تالیف کی- ظاہر ہے اس کا دل و دماغ پیران طریقت کی تعلیم سے بہت متاثر ہوا اور وہ خود بھی حقیقۃ الحقایق معلوم کرنے کے لئے بے قرار رہنے لگی-اور مرشد کی تلاش میں رہنے لگی- گجرات میں اس نے شیخ دولہ کی خدمت میں نذر و نیاز بھیجی اور فیض کی درخواست کی لیکن جو کچھ وہ چاہتی تھی اسے وہاں سے نہ ملا- مالی جلال گکھڑ میں حاجی عبداللہ کی خدمت میں نذر و نیاز بھیجی اور التماس فیض کیا-انہوں نے تسبیح بھیجی اور ذکر کی تلقین کی اور اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی جانماز اور دو روٹیاں بھیجیں-روٹی کا ٹکڑا کھانے سے صفائے قلب اور نور باطن حاصل ہوا- لاہور میں مرشد کامل کی تلاش میں کوشاں رہی- خواجہ بہاری مرید حضرت میاں میر سے رجوع کیا- لیکن وہ کسی کو مرید نہیں بناتے تھے-اس کا خیال تھا کہ سلسلہ چشت کا کوئی شیخ کامل میسر آجائے تو بہتر ہے- حضرت ملاشاہ کی مرید ہونے کی تفصیل صاحبیہ میں موجود ہے-

(۳)

جہاں آرا اپنے باپ کے ہمراہ ۱۰۴۹ھ میں کشمیر گئی-وہاں حضرت ملاشاہ مرید حضرت میاں میر کی ولایت کے چرچے تھے-دارا شکوہ بھی حضرت میاں میر سے ارادت رکھتے تھے اور حضرت ملاشاہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے-ان سے بھی حضرت کی تعریف سنی- چنانچہ وہ انہیں اپنا مرشد بنانے پر مایل ہو گئی-اظہار عقیدت کے لئے دو تین درخواستیں بھیجیں-ایک میں یہ شعر لکھا-

گر میسر شود آن روی چو خورشید مرا   بادشاہی چہ کہ دعوی خدائی بکنم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مرتبہ اپنے ہاتھ سے روٹی اور ساگ پکا کر خط کے ساتھ ان کی خدمت میں بھیجا- ایک ماہ تک انہوں نے کوئی جواب نہ دیا- وہ کہتے تھے دنیاداروں اور بادشاہوں سے ہمارا کیا مطلب- لیکن وہ عرایض ارسال کرنے سے نہ رکی- دارا شکوہ نے بھی اس کی سچی طلب کا اظہار کیا- آخر عرایض کا جواب دینے لگے- شاہجہاں نے انہیں اپنے ہاں بلایا- جہاں آرا نے بھی انہیں دیکھا اور اپنا مرشد بنانے کا پختہ ارادہ کرلیا- چنانچہ دارا شکوہ کے توسط سے وہ ان کی مرید ہوئی- مرشد نے قادریہ سلسلہ کے مطابق اذکار تلقین کیے- دارا شکوہ نے ملاشاہ کی تصویر بہن کو دی تھی- وہ اس کے تصور سے مراقبہ کرتی تھی- اس نے ایک دن روزہ رکھا- حضرت کے بھجوائے ہوئے کھانے سے افطار کیا- گھر کی مسجد میں آدھی رات تک بیٹھی نماز تہجد ادا کی- تصور مرشد' پیغمبر اور اولیاء میں مشغول رہی-

جہاں آرا کے ذہن میں یہ خلش تھی کہ وہ سلسلہ چشتیہ کی مرید ہے- سلسلہ قادریہ میں بیعت ہونے سے کشائش ہوگی یا نہیں- اس نے نیم بیداری کی حالت میں حضرت رسول اکرم ﷺ' صحابہ اور اولیاء کی مجلس میں حضرت ملاشاہ کو بھی دیکھا- آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: تو چراغ تیموریان را روشن کردی- جب بیداری کی حالت میں آئی تو بشارت پر شکریہ ادا کیا اور مرشد کے متعلق یہ رباعی زبان پر آئی-

شاھا توئی آنکہ می رساند ز صفا — فیض نظر تو طالبان را بہ خدا

بر ھر کہ نظر کنی بہ مقصود رسد — نور نظر تو شد مگر نور خدا

جہاں آرا دو دن کم چھ ماہ کشمیر میں رہی- وہ مرشد کے خطوط سے توحید و معرفت کے حقائق جانتی رہی- کشمیر سے روانگی کے وقت ملاشاہ سر راہ درخت کے نیچے گھوڑے پر سوار کھڑے تھے- جہاں آرا ہاتھی پر سوار گزری اور مرشد کے دیدار سے مشرف ہوئی اور سوگوار گزر گئی-

جہاں آرا نے اپنے مرشد سے متعلق جس عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے- حضرت ملاشاہ ۲۵ سال کی عمر میں بلخ سے کشمیر میں آئے- ۳۰ سال کے بعد لاہور میں میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے- ریاضتوں میں مشغول رہے- ۲۵ سال تک پہلو زمین پر نہ لگایا اور نہ نیند کی- وہ شریعت کے پابند تھے- انہوں نے کبھی نماز قضا نہیں کی- وہ اپنے مریدوں کو ریاضت و مجاہدت کے لئے نہیں کہتے تھے- وہ خود مرتبہ وحدت الوجود کے پیشوا تھے- ان کی گفتگو میں تاثیر تھی- ان کی صحبت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دل نرم و گرم ہوتا اور اعلیٰ مراتب حاصل ہوتے۔ انہوں نے اپنی رباعیات میں خود کو لسان اللہ، فتاح القلب اور شاہ مردان کہا ہے۔ سلسلہ قادریہ کے ایسے بلند مرتبہ بزرگ سے بیعت ہونے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں سے بھی ارادت و عقیدت قائم رہی۔ ۱۰۴۹ھ میں ملاشاہ کی مرید ہوئی۔ وہ ۱۰۵۲ھ میں باپ کے ہمراہ حضرت معین الدین چشتی کے مزار مقدس کی زیارت کے لئے گئی۔ اور ان سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا۔ راستے میں ہر منزل پر دو رکعت نماز پڑھتی۔ احترام کا یہ عالم تھا کہ روضۂ مبارک تک جانے کے لئے ننگے پاؤں حاضر ہوئی۔ قبر کا طواف کیا۔ مرقد کو آنکھوں سے لگایا۔ اپنے خرچ پر مرقد کے احاطے میں دالان کا اضافہ کروایا۔ جو بیگمی دالان کے نام سے معروف ہے۔

(۴)

شاہجہان چار مرتبہ کشمیر گئے۔ ۱۰۴۹ھ میں جہاں آرا باپ کے ہمراہ کشمیر گئی۔ ۱۰۵۵ اور ۱۰۶۰ھ میں معلوم نہیں ہو سکا کہ جہاں آرا کشمیر گئی یا نہیں، البتہ اتنا یقینی ہے کہ جہاں آرا نے مرشد کے لئے مسجد اور ہجرے تعمیر کروائے۔ شاہجہان نے چشمہ شاہی کے نام سے باغ بنوایا۔ اور کوہ ماراں میں ایک مثمن مسقّف حوض بنوایا جہاں ملاشاہ گرمیوں میں مقیم ہوتے تھے۔ ملاشاہ ۱۰۷۳ھ میں فوت ہوئے۔ صاحبیہ کی تالیف رمضان ۱۰۵۱ھ کے بعد جہاں آرا کی کوئی تحریر یا بیان سامنے نہیں آیا جس سے ظاہر ہو کہ مرشد کے ساتھ اس کی محبت و عقیدت مستحکم رہی یا نہیں۔

دارا شکوہ کے قتل کے بعد اورنگزیب نے شاید اس خیال سے کہ شاہجہان اور دارا شکوہ ملاشاہ کے مرید ہیں۔ ان کے پیرو مرشد کے اثر و رسوخ سے کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو، ملاشاہ کو کشمیر سے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ وہ جانا نہیں چاہتے تھے لیکن حاکم کشمیر کے دباؤ پر لاہور روانہ ہوئے اور مندرجہ ذیل رباعی لکھ کر بادشاہ کے پاس بھجوا دی۔

صبحی دل من چوں گل خورشید شگفت حق ظاہر شد غبار باطل را رفت
تاریخ جلوس شاہ حق آگاہ ظل الحق گفت این راحق گفت

اس رباعی پر چہ میگوئیاں ہوئیں۔ شیر خان لودھی نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اصل میں ملاشاہ نے رباعی اپنی تعریف میں لکھی ہے اور ضمناً بادشاہ کو بھی ممنون کر لیا ہے۔ خافی خان کے خیال میں اس سے ابطال ارادت مرید کامل کا اشارہ ملتا ہے۔ یعنی دارا شکوہ کی ارادت کو باطل قرار دیا ہے۔ عمومی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبصرہ یہ ہے کہ ملا شاہ اپنے مکتوبات میں دارا شکوہ کو صاحب لا کا ملا' آفتابا' جہاں تابا کہتے تھے -اس کے قتل پر افسوس کا اظہار نہیں کیا اور جس نے اس کے مخلص مرید کو قتل اور باپ کو قیدی بنایا' اسکی تخت نشینی پر دُعا کرتے ہیں کہ ظل آں ظل الحق ممدود دالی الموعود باد (۱) یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مرشد کے ان بیانات پر شاہجہاں اور جہاں آرا کے کیا تاثرات تھے اور کیا مرشد کے ساتھ پہلی سی عقیدت قائم رہی-

ملا شاہ بادشاہ کے حکم سے لاہور میں مقیم رہے اور ۱۰۷۲ھ میں فوت ہوئے-

(۵)

برنیئر فرانسیسی ۱۶۵۶ سے ۱۶۸۸ء ۱۰۶۶-۱۰۷۶ھ تک ہندوستان میں رہا اور وہ یہاں کے احوال و کوائف کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کرتا رہا- اس کے بعض مشاہدات تاریخی اہمیت کے حامل ہیں- اس نے شاہجہاں اور نگزیب کے عہد حکومت سے متعلق اطلاعات فراہم کی ہیں لیکن بعض جگہ تحقیق کیے بغیر قصہ کہانی سُن کر واقعات درج کر دیئے ہیں- اس قسم کی دو تین کہانیوں کا تعلق جہاں آرا معروف بہ بیگم صاحب دختر شاجہاں سے ہے- اس نے لکھا ہے کہ جہاں آرا کو ایک نوجوان سے عشق ہو گیا- محل سرا میں اس کی آمدو رفت تھی- بادشاہ کو بھی اس کی خبر مل گئی- ایک دن وہ محل سرا میں تھا- بادشاہ وہاں آ پہنچا- بیگم نے اسے بڑی دیگ میں چھپا دیا- بادشاہ نے اس بہانے سے کہ بیگم کو غسل کے لئے پانی کی ضرورت ہو گی- دیگ کے نیچے آگ جلانے کا حکم دیا- نوجوان دیگ کے اندر جل کر بھسم ہو گیا- بادشاہ آخر تک وہاں کھڑا رہا-

برنیئر نے اس واقعہ کی تاریخ نہیں لکھی- اگر یہ واقعہ دہلی میں اس کی موجودگی کے وقت وجود میں آیا تو اس وقت شاہزادی کی عمر ۴۳ سال تھی- وہ ۱۰۲۳ھ میں پیدا ہوئی- برنیئر نے خود لکھا ہے کہ وہ عالی مرتبہ شہزادی بیگم صاحب کے نام سے معروف تھی- ممتاز محل کی وفات ۱۰۴۰ کے بعد وہ شاہی مہر بردار تھی اور مملکت کے امور میں بھی بادشاہ کی مشیر تھی اور امراء و حکام کی مشکلات کو بھی حل کرتی تھی' وہ ۱۰۴۹ھ میں حضرت ملا شاہ کی مرید بنی اور اذکار و اوراد اور نماز و روزہ کی پابند ہو گئی تھی- ۱۰۵۲ میں وہ حضرت معین الدین چشتی کے مزار پر اجمیر میں حاضر ہوئی- ہر منزل پر دو رکعت نماز پڑھی- روضہ تک جانے کے لئے ننگے پاؤں چل کر گئی- مرقد کا طواف کیا اور دعا مانگی- گویا وہ درویش منش تھی اور اولیاء کی عقیدت مند- [illegible] ھ میں اتفاقیہ آگ لگ [illegible] سے اس کا بدن جھلس گیا- وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آٹھ مہینوں تک صاحب فراش رہی۔ ایسی مخدوش حالت میں اور اتنی عمر میں وہ ایک نوجوان پر فریفتہ ہوگئی ہوگی اور نوجوان کو حرم سرا میں لاتی ہوگی قابل اعتبار نہیں۔

قصہ گھڑنے والے نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ آیا حرم سرا میں حمام کے لئے دیگوں میں پانی گرم کیا جاتا تھا اور شہزادیوں کے غسل کے لئے کام آتا تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ قلعہ دہلی کا واقعہ ہے یا قلعہ آگرہ کا۔ پھر شاہی حمام تک برنیئر کا کہاں گذر ہوگا۔ ذرا تحقیق کر لیتا تو ایسی بے سروپا کہانی نہ لکھتا۔ سید احمد نے آثار الصنادید میں قلعہ کے اندر حمام کی دقیق تحقیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اس درجے کے بیچوں بیچ میں ایک حوض ہے مربع پر چینی کار۔ اس کے چاروں کونوں پر چار فوارے لگے تھے۔ اس کے گرد ایک نہر ہے گز بھر عرض کی اور بہت کم گہری نہایت نفیس، مشہور ہے کہ جب چاہتے تھے اس نہر اور حوض میں گرم پانی ہوتا تھا اور جب چاہتے ٹھنڈا۔ تیسرا درجہ حمام کا اجارے تک نرا سنگ مرمر کا ہے۔ جانب مغرب حوض گرم پانی کے بنے ہوئے ہیں۔ اس کے بیچوں بیچ ہی سنگ مرمر کا چبوترہ ہے۔ اس پر بیٹھ کر نہاتے تھے۔ جانب شمال ایک شہ نشین بنی ہوئی ہے۔ اور اس میں مستطیل حوض ہے۔ جب چاہیں گرم پانی میں اور جب چاہیں سرد پانی بھریں۔ شاید یہ تمام شاہجہاں اور عالمگیر کے بعد پھر گرم نہ ہوا ہو۔" (آثار الصنادید سید احمد خان، مرتبہ خلیق انجم، ج ا، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۰ء ص ۲۸۳)

مندرجہ بالا بیان سے حمام کی کیفیت آشکار ہے۔ بادشاہ کا بیگم سے یہ کہنا کہ آج کل اس نے حمام نہیں کیا، ناممکن ہے۔ اس لئے اس کے لئے پانی گرم کیا جاتا ہے۔

یہ قصہ سراپا جھوٹ پر مبنی ہے اور اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ اس قسم کی کہانیاں عالی رتبہ بیگم، محل سرا اور بادشاہ کو بدنام کرنے کے لئے پھیلائی جاتی ہیں۔

برنیئر نے جہاں آرا کے ایک اور معاشقے کا ذکر کیا ہے (۲) وہ لکھتا ہے کہ پہلے واقعہ عشق کے کچھ عرصہ بعد (After Subsequent period)۔ ایک خوبصورت شائستہ جوان (Nazer Khan) خانساماں سے اس کا رابطہ ہوگیا۔ شائستہ خان (ممتاز محل کے بھائی) نے بادشاہ کے سامنے اس کے ساتھ شادی کی تجویز بھی پیش کی لیکن بادشاہ نہ مانا۔ اور نوجوان کو سامنے سے ہٹانے کے لئے دربار میں بلایا۔ اس کی عزت افزائی کے لئے پان کا بیڑہ پیش کیا جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ وہ جوان منہ میں گلوری ڈال کر پالکی میں سوار ہوا اور گھر پہنچنے سے پہلے راستے میں زہر کے اثر سے ہلاک ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس واقعہ سے متعلق بھی تاریخ درج نہیں کی- بر صغیر کے ہندوستان پہنچنے پر جہاں آرا کی عمر ۴۳ سال تھی- اب چوالیس پینتالیس ہو چکی ہو گی- یہ قصہ بھی جہاں آرا اور وفا شعار بیٹی کو بدنام کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے- اگر وہ جوان شاہزادی کا منظور نظر تھا بادشاہ اپنی عزیز بیٹی کی خواہش میں کیوں حائل ہوتا- یہ اطلاع بھی غیر مصدقہ ہے کہ شاہجہاں پان بھی کھاتا تھا اور قدر دانی اور عزت افزائی کے لئے دوسروں کو پان کا بیڑہ پیش کیا کرتا تھا- وہ اس سازش میں پان بنانے والے اور زہر چھپانے والے کو کیوں شریک کرتا-

سازش میں پان بنانے والے اور زہر چھپانے والے کو کیوں شریک کرتا-

ایک اور بات قابل تحقیق یہ ہے کہ برنیئر نے جوان کا نام (Nazer Khan) لکھا ہے- اب یہ ناظر خان' نذیر خان اور نادر خان بھی پڑھا جا سکتا ہے- بقول برنیئر یہ شخص خانساماں کے عہدے پر فائز تھا- یہ عہدہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا اور عموماً تجربہ کار شخص کو سونپا جاتا تھا' بادشاہ نامہ مئولفہ عبدالحمید لاہوری نے منصب داری کی جو فہرستیں درج کی ہیں ان میں اس قسم کے ناموں میں سے کوئی عہدہ دار نظر نہیں آتا' البتہ شاہجہاں نامہ یا عمل صالح میں دو فہرستیں درج ہیں ان میں ہزاری منصب داروں میں ناظر خاں کا نام ملتا ہے- جسے ۱۰۶۷ھ میں ۲۱/ ذیعقد کو تبدیل کر کے دولت خان کو (دربار خان) کا خطاب دے کر محلات شاہی کا نگران مقرر کیا گیا ہے (۳) بقول برنیئر اگر ناظر خان ہی وہ جوان تھا تو اس وقت جہاں آرا کی عمر ۴۴/ ۴۵ تھی تو کیا جہاں آرا ایک شایستہ جوان سے عشق فرماتی تھی؟ یہ عشقیہ قصہ بھی جعلی اور جھوٹا ہے-

(۷)

برنیئر نے اپنی سیاہی دل روشن کرتے ہوئے شاہجہاں اور جہاں آرا یعنی باپ بیٹی کے مشکوک تعلقات کا ذکر کیا ہے (۴) وہ خود بھی لکھتا ہے کہ یہ افواہ ہے اور کہتا ہے کہ

It is difficult to believe

اس کے باوجود بیان کرتا ہے کہ علماء / فقہا نے بادشاہ کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنے لگائے ہوئے درخت کے پھل سے متمتع ہو سکتا ہے اس بیان کی کوئی سند نہیں ملتی- برنیئر نے علماء و فقہاء پر بھی بہتان باندھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔اس قسم کے بیان سے اس نے شہنشاہ کو بدنام کیا ہے۔جس کے پاس ممتاز محل جیسی محبوب بیوی تھی۔ اس کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں اس کے بطن سے تھے۔اس کی وفات پر بادشاہ کو سخت صدمہ ہوا۔اس کی یاد میں اس نے تاج محل جیسا بے نظیر مقبرہ تعمیر کرایا۔اس کی دو اور بیویاں بھی تھیں۔ممتاز محل کی وفات کے بعد ان سے کوئی اولاد کا ذکر نہیں ہوا۔اس جیسا دیندار' میاں میر' ملا شاہ اور حضرت معین چشتی جیسے بزرگ صوفیہ کا ارادت مند اپنی ہردلعزیز فداکار بیٹی سے مشکوک تعلق رکھے گا۔برنیئر نے اس قسم کی بات کر کے باپ بیٹی کے مقدس رشتے کو بدنام کر کے شرمناک بات کی ہے۔انگریز اور یورپی مورخین نے اس امر کی تائید میں ہرزہ سرائی کی ہے۔

History of shah Jahan of Delhi

کے مصنف (Saksena) نے ان کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔(۵)

(۸)

ضیاء الدین احمد برنی نے اپنی کتاب میں جہاں آرا کے کچھ اشعار جمع کیے تھے' صاحبیہ میں اس کے مزید اشعار ملے ہیں۔ان کو اکھٹا درج کر کے محفوظ کیے لیتے ہیں۔جہاں آرا نے موزوں طبیعت پائی تھی۔مضامین کو منظوم کر لیتی تھی۔اس کے اکثر اشعار منقبت اولیاء سے متعلق ہیں اور ان میں درد وخلوص ہے۔اور جوش بھی ہے۔باپ کی وفات پر جو مرثیہ لکھا تھا' اس کے تین بازماندہ اشعار سے درد والم کی تپش محسوس ہوتی ہے۔زبان میں شعریت بھی ہے۔

آن جا کہ کمال کبریای تو بود   عالم نمی از بحر عطای تو بود
مارا چہ حد حمد ثنای تو بود   ھمہ حمد و ثنای تو سزای تو بود

ای بہ وصفت بیان ماھمہ ھیچ   ھمہ آن تو آن ما ھمہ ھیچ
ھرچہ بیند خیال ما ھمہ نقص   ھرچہ گوید زبان ما ھمہ ھیچ
مابہ کنہ حقیقت نرسیم   ای یقین و گمان ماھمہ ھیچ

منقبت حضرت معین الدین چشتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آن شهنشاه جهان معرفت / ذات او بیرون ز ادراک و صفت
خسرو ملک فنا بی تخت و تاج / از خود و از غیر خود بی احتیاج
غرق بحر عشق از صدق و صفا / از خودی بیگانه باحق آشنا
اختر برج سپهر لم یزل / گوهر درج کمال بی عدل
آن معین دین و ملت بی نظیر / فارغ از دنیا به ملک دین امیر
در ثنای او زبانم را چه حد / فیض او باید که افزاید مدد

مرثیه

ای آفتاب من که شده غائب از نظر / آیا شب فراق تراهم بود سحر
ای بادشاه عالم و ای قبله جهان / بکشای چشم رحمت و بر حال من نگر
عالم چنین ز غصه دما دم بود بدست / سوزم چو شمع در غم و دودم رود ز سر
بغیر سبزه نپوشد کسی مزار مرا / که قبرپوش غریبان همین گیاه بس است

منتخب از صاحبیه

گر میسر شود آن روی چو خورشید مرا / بادشاهی چه که دعوای خدائی بکنم
شاه ماتوئی، آن که می رساند ز صفا / فیض نظر تو طالبان را به خدا
به هر که نظر کنی به مقصود رسد / نور نظر تو شد مگر نور خدا

این همه را ظهور حق می بینم / ذاتست یکی جمله صفت می بینم
نقش فنا بقاست بی رنگینی یار / بی رنگ بشو رنگها را مشمار
یار آمد در بغل بی محنت شبهای هجر / عاشق و دیوانه بودم اشتیاقم داد اجر

شوق تو مرا در بر می گیرد و می ماند / هر لحظه و هر لمحه این ذوق تو بی بالا
پیر من و خدای من، دین من و پناه من / نیست کسی بغیر تو شاه من واله من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امروز ندیدیم کسی ثانی تو | مائیم بروز عید قربانی تو
ای شاہ زیک نظر بجردی کارم | شاباش توچہ خوش نمودی کارم
خوشاہجری کہ باشد آخرش وصل | خوشا فرعی کہ گردو عین آن اصل
تاثیر زبان خاصہ شاہ من است | تقریر عیان خاصئہ ماہ من است
دریاب رہ کوچہ آن ماشاہ | او ھست خزینہ دار توحید الہ
سایہ او برسرم چون چتر باد | حال او احوال مارا ستر باد

☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی

(۱) پاکستان میں فارسی ادب جلد دوم، ظہور الدین احمد، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۷۴ء ص ۱۳۴، ۱۳۵۔

(2) Travels in the Mughal Exmpira A.D. 1656- 1668. Francios Bernier, edited by Archibold Constable, Lahore. 1976. p.12.

(۳) "شاہجہاں نامہ باکمل صالح، محمد صالح کینوہ، مرتبہ وحید قریشی، لاہور ج ۳، ص ۱۹۸۔

(4) The Travels of the Mughal Empira, op. cit, p.11.

(5) Saksena, B.9., History of Shah Jahan of Delhi, Allahbad, 1961, p. 338-343.

☆☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com